بیسویں صدی کی ادبی سوانح عمریوں میں دیگر شخصیات کے رجحانات

محمد ساجد خان
شعبہ اُردو، جامعہ کراچی

تلخیص

اردو ادب میں سوانح عمری اور خاکہ دو الگ الگ اصناف ہیں جن کے متعلق ادب میں بیش بہا ذخائر ہیں مگر اس مضمون میں سوانح عمریوں میں موجود صاحب سوانح سے منسوب دیگر شخصیات کے خاکے تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہ وہ شخصیات ہیں کہ جن کے بغیر صاحب سوانح کی شخصیت کی تشکیل کی تکمیل ہوتی ہے۔ وہ شخصیات صاحب سوانح کے رشتہ دار، احباب، مشاہیر، معاصرین و متعلقین ہوسکتے ہیں جو صاحب سوانح کی پیدائش سے عمر کے آخر تک مختلف ادوار میں الگ الگ تعلق سے صاحب سوانح کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ان میں صاحب سوانح کے ماں باپ، اولاد، اہلیہ، و دیگر رشتہ دار اس کے پیشے سے تعلق رکھنے اولی دیگر شخصیات اور دوست اور احباب بھی ہوسکتے ہیں کوئی بھی اچھا سوانح نگار، سوانح عمری لکھتے وقت ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے سوانح عمری کی تکمیل کرے اور سوانح عمری کی مرکزی شخصیت اسوقت تک مکمل نمایاں نہیں ہوسکتی کہ جب تک اس سے تعلق دیگر شخصیات کو مذکورہ شخصیت کے تعلق سے تمام زاویوں کے ساتھ پیش نہ کیا جائے۔ زیر تذکرہ مضمون میں بیسویں صدی کے نصف اول میں شایع کردہ سوانح عمریوں میں مرکزی شخصیت کے تعلق سے دیگر شخصیات کے خاکے تلاش کر کے پیش کیے گئے ہیں اور اس بات کی تائید میں اس کے بعد کی سوانح عمریوں کو بھی مثال میں جستہ جستہ سامنے رکھا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ اب تک کے سوانح نگاروں نے بھی دانستہ منصوبہ بندی کے تحت سوانح عمریوں میں موجود دیگر شخصیات کے خاکوں کو پیش کرنے کے لیے اہم سمجھا ہے تو کہ یہ خاکے باقاعدہ خاکوں کے مقابلے میں منصوبہ بندی کے تحت نہیں لکھے جاتے لیکن ان کی اہمیت کو کسی خاکے کے مواد یا خاکہ بھر معلومات کے لیے اہم اور کسی طور مکمل سمجھا جاسکتا ہے۔

کلیدی الفاظ: سوانح نگاری، اصناف، بیسویں صدی کے سوانح نگار، ضمنی شخصیات کے خاکے

Abstract

Biographies and Pen-Sketches are two separate separate branches and lots of these two are available in Urdu Literature as well as writings about these two categories but this article is an effort to find sketches of personalities related to the authors of biographies without whom the author's personality cant be revealed fully. These people may be the author's relatives, friends, peers, observers and other persons who has been with him/her at various stages of author's

life. Amongst them may be their parents, children, spouse and other relatives as well as other in the same profession. A good biographer takes are of all the aspects, requirements and dimensions from start to end of an autobiography. A person is central to an autobiography can't be highlighted completely unless different aspects of his/her life are described with reference to other related people. This article focuses on the personalities around the central-to-a-biograpgy person and describes them in the light of various biographies in which he/she is talked about. To support this argument, examples are also taken from the biographies written after the selected biography so that it can be proved that biographers can also tell the importance of presented sketches of other personalities. Although these sketches are not written with any such plan, as compared to formal pen sketches, even then these can be considered important and complete to some extent and are comparable to pen sketches.

Keywords: Biography, Branches (Varieties Species), Sketches of Personalities, Biography of Twentieth Century.

غیر افسانوی ادب میں جہاں کہیں شخصیات کو زیر بحث لایا جاتا ہے وہاں ان کا کردار، عادات، مشاغل، متحرک زندگی کے مختلف عوامل، متعلقین اور معاصرین سے ان کے تعلقات کو زیرِ بحث لائے بغیر کسی شخصیت کو صراحت سے بیان کرنا کسی طور ممکن نہیں۔

اس نوع کے ابتدائی نقوش اردو ادب کے قارئین کو باقاعدہ طور پر صنفِ خاکہ میں ملتے ہیں لیکن صنفِ خاکہ ہی وہ واحد صنف ہے کہ جس میں کسی شخص کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کو مخصوص انداز میں یکجا کر کے خاکہ تحریر کیا جائے بلکہ بعض جگہ سفرناموں، آپ بیتیوں، سوانح عمریوں اور اس نوع کی دیگر اصناف میں بھی مصنف کو مذکور باتوں کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ جس کے بغیر وہ اپنے مقصد کو پورے طریقے سے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ یہاں دیگر اصناف کے بجائے سوانح عمریوں کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کا بھی خیال رکھنا مناسب ہوگا کہ ایک مخصوص دور کو سامنے رکھتے ہوئے چند ایسی ادبی سوانح عمریاں منتخب کی جائیں جو کم و بیش بیسویں صدی کے نصف اول تک شائع ہوئی ہوں۔

یہاں اس سلسلے میں سوانح عمری میں موجود متعلقین اور معاصرین، احباب و رشتہ دار کے متعلق خاکے یا خاکہ بھر معلومات کے ذیل میں چند سوالات کے ذریعے بعض تصریح طلب معاملات کو اجاگر کیا جانا ضروری ہے۔

منتخب سوانح عمری میں موجود خاکوں کے موضوعات و رجحانات کیا ہیں؟ ان کی اہمیت ایک سوانح نگار کے لیے مختلف تنقید نگاروں نے کیا متعین کی ہے؟ مذکور سوانح عمریاں اس بارے میں کیا شواہد پیش کرتی ہیں؟ مختلف سوانح نگاروں نے اس نوع کے خاکوں کو صاحب سوانح کے بیان میں شامل کرنا کیوں ضروری سمجھا؟ اور سوانح عمریوں پر اردو

میں رہی سہی تنقید میں تنقید نگاران خاکوں کی سوانح عمریوں میں شمولیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس وضاحت اور تفصیل سے پہلے یہ امر ناگزیر ہے کہ سوانح عمری میں موجود متعلقین کے خاکے ایک سوانح عمری کے لیے کیا ہیں اور ان موضوعات اور دیگر تفاصیل سے بیان کرنا کیوں ضروری سمجھا گیا۔

اس حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوانح عمریوں کی مرکزی شخصیت اور شخصیت کی ارتقاء پذیری اور شخصیت کے ان نمایاں رنگوں کو واضح کرنے کے لیے جن ضمنی شخصیات کو سوانح نگار مختصراً یا تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ صاحب سوانح کے ساتھ ساتھ دیگر جملہ جزویات بھی سامنے آ سکیں۔ انہیں متعلقین کے بے ساختہ خاکوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان مذکور خاکوں میں جہاں صاحبِ سوانح کی زندگی پر اثر انداز یا نجی زندگی کو تشکیل دینے میں جو افراد اہم ہوتے ہیں انہیں موضوع بنایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ماں، باپ، بھائی، بہن، استاد، اہلیہ، اولاد، ملازمین اور دیگر احباب و رشتہ دار شامل ہیں۔ ان خاکوں میں معاصرین کو بھی سوانح نگاروں نے موضوع بنایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان خاکوں میں ثقافتی، سیاسی، ادبی اور لسانی پہلو بھی در آتے ہیں گویا ان خاکوں کا ہر اعتبار سے باقاعدہ صنف خاکے سے نہ صرف موازنہ کیا جا سکتا ہے بلکہ ان خاکوں کی وسعت، ہئیت اور حدود میں صاحبِ سوانح اور ان کے متعلقین کے کوائف کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ جس سے سوانح کی مرکزی شخصیت کی سوانح زندگی موثر انداز میں سوانح عمری کا موضوع بن سکتی ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ ان موضوعات کی اہمیت کیا ہے؟ اس حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح باقاعدہ صنفِ خاکہ اپنے باطن میں شخصیت کے بیان میں مختلف موضوعات کو پیش کرتی ہے اسی طرح یہ مذکور خاکے بھی اپنے اندر رنگا رنگ موضوعات و معلومات دلچسپی کے حامل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مذکور خاکے خود مکتفی صنف ادب کے دعوے دار اس لیے نہیں کہ ان خاکوں کا اساسی مقصد سوانح کا موضوع بننے والی شخصیت کے تابع ہوتا ہے۔

اس کے باوجود یہ ضمنی شخصیات کے خاکے ناقدین اور اردو کے باقاعدہ سوانح نگاروں کے لیے خصوصی توجہ کے طلبگار رہیں۔ یہاں اردو کی مختلف سوانح عمریوں سے سوانح عمری میں ضمنی شخصیات کے خاکوں کے ان مندرجات کو پیش کیا جا رہا ہے کہ جس سے زیرِ بحث موقف کی تائید ہو سکے یعنی یہ خاکے نہ صرف صاحب سوانح کی شخصیت کے مختلف رنگوں کو نمایاں کرنے میں اہمیت کے حامل ہیں بلکہ سوانح عمریوں میں ان کی دستاویزی اہمیت بھی ہے۔

’غالب‘ از مالک رام اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں ضمنی خاکوں پر سوانح نگار کی شعوری توجہ ملاحظہ کی جا سکتی

ہے۔مثال کے طور پر چچا کی سرپرستی کے عنوان سے مرزا نصر اللہ بیگ خان کے بارے میں جو حالات رقم کیے ہیں وہ نہ صرف صاحبِ سوانح کے بارے میں اہم ہیں بلکہ مرزا نصر اللہ بیگ خان کے ساتھ ساتھ اس عہد کے سیاسی وسماجی منظر نامے کو بیان کرتے ہیں۔اس ضمنی خاکے میں مالک رام نے مرزا نصر اللہ بیگ کے حوالے سے انگریزی کی عملداری، ایک شادی کا ذکر، لارڈ لیک کا موضوع، مرزا نصر اللہ بیگ خان کا چار سو سواروں کے ایک دستے کی رسالہ داری اور ان کا باغیوں سے لڑتے ہوئے ہاتھی سے گر کر جاں بحق ہونے کی اطلاع (۱) جیسے موضوعات کو سوانح نگار نے نہایت سلیقے اور اختصار سے اس طرح پیش کیا ہے کہ صاحبِ سوانح کی شخصیت بھی ساتھ ساتھ چلتی نظر آتی ہے۔

سوانح مذکور میں مالک رام نے ’آغا میر‘ (۲) کے عنوان سے جو غالب کے ایک انداز کو واضح کیا ہے وہ نہ صرف سوانح غالب کے لیے اہم ہے بلکہ غالب کی انا پرستی پر دال ہے۔اس میں آغا میر یعنی نائب سلطنت معتمد الدولہ سید محمد خان بہادر کے بارے میں بھی سرسری معلومات ملتی ہیں۔ یہ خاکہ آغا میر کے بارے میں کم مگر غالب کی سوانح کے لیے زیادہ موزوں دکھائی دیتا ہے۔عام طور پر سوانح نگار ایسے بھی خاکے ضمنی افراد کے بارے میں تحریر کرتا ہے جس کا صرف اور صرف مقصد صاحب سوانح کے بارے میں کسی پہلو کو اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ایسی صورت حال میں سوانح نگار کو وہ اہم معلومات بھی رقم کرنی چاہییں جو صاحب سوانح کے ساتھ ضمنی فرد کو بھی موضوع بنائے تاکہ اس عہد کی ممتاز شخصیات کے بارے میں دستاویزی معلومات عام ہو سکیں۔

'یادگار غالب' کا شمار اردو ادب کی معروف اور اولین سوانح عمریوں میں ہوتا ہے۔اس سوانح میں متعدد جگہوں پر غالب کی شخصیت کو پیش کرنے کے لیے سوانح نگار یعنی الطاف حسین حالی نے دیگر اشخاص کے تذکرے شامل کیے ہیں جو خاکہ بھر معلومات سے مملو ہیں یا ان میں دیگر شخصیات کے بارے میں اختصار سے معلومات ملتی ہیں۔اس تحقیقی مطالعے میں ان خاکوں کو اساسی اہمیت اس لیے دی جائے گی کہ ان خاکوں کی کسی کامیاب سوانح میں غیر معمولی اہمیت ہوتی ہے۔مولانا الطاف حسین حالی نے 'یادگار غالب' کی ترتیب میں ان شخصیات کے بارے میں معلومات بہم پہنچانے کا التزام کیا ہے جن کا غالب سے راست تعلق رہا تھا۔ان شخصیات میں نواب ضیاء الدین احمد خان، نواب محمد مصطفیٰ خان مرحوم اور زین العابدین خان عارف کے بارے میں سوانح نگار نے کچھ اس طرح معلومات فراہم کی ہیں جو ان کے بارے خاکہ نما اسلوب کی حامل ہیں:

نواب ضیاء الدین احمد خان جو فارسی میں 'نیر' اور اردو میں 'رخشاں' تخلص کرتے تھے قطع

نظر کمال شاعر و انشا پردازی کے تاریخ، جغرافیہ، علم انساب، علم اسمائے رجال، تحقیق لغات اور جنرل انفارمیشن (عام واقفیت) میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اگر چہ انہوں نے فنون مذکور میں کوئی مستقل تصنیف اپنے نام سے نہیں چھوڑی لیکن اکثر مصنفین ان سے مدد لیتے تھے اور جو مشکل پیش آتی تھی اس میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ خصوصاً الیٹ صاحب جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ کئی جلدوں میں لکھی ہے۔ اس کی تصنیف و ترتیب میں نواب ممدوح کے لیے انتہا مدد پہنچائی تھی۔ اس کا مصنف اپنی کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کرتا ہے۔(۳)

مندرجہ بالا اقتباس سے نواب ضیاء الدین احمد خان کی شخصیت پر نہ صرف وضاحتیں ملتی ہیں بلکہ غالب سے بھی ان کا جو تعلق تھا وہ بھی سامنے آتا ہے۔ حالؔی کے علاوہ دیگر سوانح نگاروں نے بھی اس رنگ کو اپنایا ہے مثلاً 'حیات مومن' میں شیفتہ کے بارے میں عرشؔ نے کچھ یوں لکھا ہے:

یہ اردو اور فارسی میں حکیم مومن خان صاحب کے شاگرد تھے۔ بعد انتقال کچھ فارسی کلام غالب مرحوم کو بھی دکھایا تھا مگر اردو میں خاتمہ مومن کے نام پر ہوا۔ یہ مومن کے بہترین شاگرد اور ہم صحبت لوگوں میں تھے۔ جہاں مومن و غالب وصہبائی و آشفتہ وغیرہ جمع ہوتے تھے وہاں ان کی بھی ایک امتیازی جگہ تھی۔ آگے شراب بھی پیتے تھے مگر ادھر توبہ کرلی تھی اور حج کعبہ سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ غدر میں ان کی ریاست آفاتِ آسمانی سے محفوظ رہی ان کا اردو دیوان 'تذکرہ گلشن بے خار' چھپ گیا ہے بقیہ اور سرمایہ جس میں مومن کا بھی مال تھا، لٹ گیا۔ مذاق ان کا نہایت سلیم تھا۔(۴)

شبلی نے بھی اپنی سوانح عمریوں میں بے ساختہ خاکوں کا مواد فراہم کیا ہے۔ جو اسلوب، ساخت اور مواد کے حوالے سے خاکہ کہی جاسکتی ہے۔ 'سیرت النعمان' میں امام ابو حنیفہ کے استاد حماد کا خاکہ کچھ اس طرح سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استادِ وقت تھے۔ حضرت انس سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے

> حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔اس وقت کوفہ میں ان ہی کا درس گاہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا۔حضرت عبداللہ بن مسعود(صحابی) سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار انہیں پر تھا۔ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا یعنی دولت منداور فارغ البال تھے اور اس وجہ سے نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔ ان وجوہ سے امام ابو حنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا۔(۵)

مذکورہ سوانح عمری میں موجود خاکے کو یہاں پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بیسویں صدی کی سوانح عمریوں میں ضمنی شخصیات کے خاکوں کا تصور مولانا حالی اور مولانا شبلی کی سوانح عمریوں سے ابتدا ہی سے ملتا ہے۔جو بعض انیسویں صدی کے ربع آخر میں لکھی گئیں۔اقتباس مذکور جہاں عرش کی سوانحی منصوبہ بندی کا مظہر ہے وہاں اس اقتباس میں سوانح نگار کی شیفتہ کے بارے میں تنقید کا عنصر بھی شامل ہے۔

جیسا کہ ابتدأ عرض کیا گیا ہے کہ یہاں سوانح عمری میں موجود ضمنی خاکوں کے موضوعات کو بہ تصریح اس لیے پیش کیا جا رہا ہے کہ ان خاکوں کا موضوع بننے والی ضمنی شخصیات اور ان کے حوالے سے متنوع موضوعات کا احاطہ اس لیے کیا جائے کہ اس طرح سوانح نگار کے بیان میں بھی بھرپور توجہ صرف کریں۔

مولانا اشہری نے 'حیات انیس' میں انیس کی حیات یا سوانح پیش کرنے کا آغاز ان کے آباؤ اجداد کے بارے میں معلومات پیش کر کے کیا ہے۔لہذا لکھتے ہیں:

> میرزا سلامت علی دبیر خاندانی شاعر نہ تھے۔میرزا غلام حسین عرف میرزا آغا جان کے لڑکے تھے۔میرزا دبیر نے لڑکپن میں مرثیہ گوئی کا شوق کیا۔اس شوق نے ممبر کی سیڑھی سے مرثیہ گوئی کے عرش الکمال پر پہنچا دیا۔نواب شرف الدولہ کی مجلس میں اول مرزا (دبیر) بعد ان کے میر ضمیر دبیر کے استاد کو پڑھا کرتے تھے۔لیکن ایک مجلس میں بے لطفی ہوگئی۔آخر کار میر ضمیر نے میرزا دبیر کے شہرۂ کمال کو دیکھ کر ان کے نکتہ مقابل بننے سے پرہیز کیا۔(۶)

اس حوالے سے 'یادگارِ حالی' از صالحہ عابد حسین نے الطاف حسین حالی کی شخصیت کو موضوع بنایا ہے، اس میں

سے سب سے اہم حالی کی زوجہ بی اسلام النساء ہیں جن کے مطالعے کے بعد بی اسلام النساء کے بارے میں نہ صرف معلومات ملتی ہیں بلکہ حالی کی شخصیت کے نمایاں وصف تحمل ورواداری سامنے آتا ہے۔سوانح نگار صالحہ عابد حسین نے بی اسلام النساء کی صراحت سے اس طرح موضوع بنایا ہے کہ حالی کی شخصیت بھی ان معلومات سے ظاہر ہوتی ہے۔اس حوالے سے بی اسلام النساء کے بارے میں بھر پور معلومات فراہم کی ہیں۔جس سے ان کی گھریلو اورنجی زندگی سامنے آتی ہے۔صالحہ عابد حسین نے خواجہ غلام اسبطین مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ ڈائری سے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو نہ صرف اپنے اندر دلچسپی لیے ہوئے ہے بلکہ حالی کی تحمل مزاجی کا بین مظہر ہے:

> ایک مرتبہ محرم کی ۹ تاریخ کو حالی اپنے بیٹے خواجہ سجاد حسین اور اپنے سالے میر فیاض حسین کے ساتھ کہیں تانگے میں بیٹھ کر گئے۔بیوی کو حالی کی یہ بات سخت ناگوار گذری (واضح رہے کہ حالی سنی تھے اور بیوی شیعہ۔اور اس خاندان میں انتہائی رواداری تھی اور اس قسم کی شادیاں بلا تامل ہوتی تھیں) اتفاق سے تانگا الٹ گیا۔جب یہ لوگ واپس آئے تو سیدانی کا جلال انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔انہوں نے میاں، بیٹے اور بھائی کو دل کھول کر برا بھلا کہا کہ نبی ﷺ کے نواسے پر تو قیامت کا وقت پڑ رہا ہے، ان کے بچے بھوک پیاس سے تڑپ رہے ہیں اور تم سواریوں میں بیٹھے سیر کر رہے ہو۔اچھا ہوا تانگا الٹ گیا۔وغیرہ وغیرہ۔میر فیاض حسین اور خواجہ سجاد حسین کو یہ بات ناگوار گزری کہ مولانا کو ایسی سخت کہی جائیں لیکن فرشتہ منش حالی نے صرف اتنا کہا" سیدانی غصے میں اور حق پر، غلطی ہماری ہی تھی کہ آج کے دن سواری پر بیٹھے،" وہ کہتی ہیں، بجا ہے۔(۷)

زورؔ نے غالبؔ کے حوالے سے دیگر شخصیات کو حالیؔ کی نسبت زیادہ صراحت و تحقیق سے پیش کیا ہے۔اس ضمن میں انھوں نے مختلف تحریروں کو بھی من وعن اپنی تحریر کا حصہ بنایا۔مثلاً امیر مینائی کی تحریر" فضل حق" خیر آبادی کے حوالے سے ہے جو زورؔ نے اپنی کتاب میں نقل کی۔امیر مینائی لکھتے ہیں:

> بڑے ادیب، بڑے منطقی، نہایت ذہین، نہایت ذکی، طلیق ولئیق انتہا کے صاحب تدقیق و تحقیق۔جس شہر میں آپ رونق افروز ہوئے صدہا آدمی بہرہ اندوز ہوئے۔شاہ جہاں آباد

میں اگرچہ عدالتوں میں سر رشتہ دار تھے، مگر بڑے ذی اقتدار اور صاحب اختیار تھے۔ جھجھر میں مشاہرہ جلیلہ پر نوکر رہے۔ الور اور سہارن پور اور ٹونک سب جگہ معزز و مقرر رہے۔ لکھنؤ میں صدر الصدور تھے اور اس دالریاست (رام پور) میں پہلے محکمہ نظامت اور پھر عدالتیں پر مامور ہوئے۔ جناب مستطاب نواب فردوس مکان کو بھی آپ سے تلمذ رہا۔ اور بندگانِ حضور (نواب خلد آشیاں) نے بھی کچھ پڑھا ہے۔ آٹھ برس بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ رہے۔ پھر یہاں سے تشریف لے گئے۔(۸)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ سوانح نگار نے جس چابکدستی سے بی اسلام النساء کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں اس سے نہ صرف صاحبِ سوانح کی شخصیت واضح ہوتی ہے بلکہ بی اسلام النساء کے حوالے سے دیگر اہم پہلو بھی سامنے آئے ہیں۔ گویا سوانح عمری میں موجود خاکوں کی اس نوعیت سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ سوانح نگار صاحبِ سوانح کی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے جن دیگر شخصیات کو سلیقے سے موضوع بناتا ہے اس سوانح سے وابستہ اہداف بآسانی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

اس طرح آزردہؔ کی سوانح میں سوانح نگار نے ان کے شاگردوں کا احوال بھی جمع کیا ہے جس سے متذکرہ شخصیت کے خدوخال ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اس حوالے سے آزردہؔ کے ایک شاگرد شیخ محمد ہادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مولانا ابوالکلام آزاد کے دادا ہیں۔ انھوں نے علوم کی تکمیل مفتی صدرالدین سے کی اور شاہ عبدالعزیز کے مشورے سے مولانا منورالدین (مولانا آزاد کے نانا) نے اپنی بڑی لڑکی اس سے منسوب کردی یہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور حافظے کی وجہ سے ضرب المثل تھے۔ کہا جاتا ہے پوری قاموس، تمام کتب درسیہ اور ان کے حواشی اس طرح ازبر تھے کہ ان کے اساتذہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ کتابیں گم ہوجائیں تو یہ اپنے حافظے سے پھر لکھ سکتے ہیں۔(۹)

سوانح عمریوں میں صاحبِ سوانح کے متعلقین کے بارے میں سوانح نگار کا انداز اس طور پر بھی تبدیل ہوسکتا ہے اگر سوانح نگار اپنے ہم عصروں میں کسی شخص کو سوانح عمری کا موضوع بناتا ہے تو اسے معلومات کے حصول میں بہت

سی سہولتیں میسر رہتی ہیں یعنی صاحبِ سوانح کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والی شخصیات کے بارے میں بھی معلومات کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس اگر سوانح نگار کسی شخصیت کو موضوع بناتا ہے جیسا ہم مولانا شبلی نعمانی کی سوانح عمریوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ان سوانح عمریوں میں صاحبِ سوانح کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے افراد کے بارے معلومات تشنہ ہیں۔اس حوالے سے مولانا شبلی نعمانی کی 'مولانا روم' ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔جس میں مولانا شبلی نعمانی نے مولانا روم کے ان حالات و واقعات کو صراحت سے پیش کیا ہے جو مثنوی مولانا روم میں محفوظ ہو گئے ہیں۔مثنوی مولانا روم میں مولانا روم کی حیات کے بارے میں داخلی و خارجی شہادتیں ملتی ہیں۔مولانا روم جیسی ہستیاں سوانح عمری کا موضوع بنتی رہی ہیں جن کے بارے میں معلومات کم ملتی ہیں ایسی صورت مولانا روم کے متعلقین کے بارے میں سوانح نگاری کی تمام کوششیں غیر مؤثر ثابت ہوئی ہیں۔اس کے باوجود مولانا شبلی اور مولانا حالی نے ان تاریخی شخصیات کے ساتھ ساتھ ان کے ہم عصروں، متعلقین اور دیگر ضمنی شخصیات کو جس انداز سے پیش کیا ہے اسے یہاں صراحت سے اس لیے پیش کیا جا رہا ہے کہ ان ضمنی شخصیات پر مبنی خاکوں کے مابین فرق تلاش کیا جائے جنہیں سوانح نگاروں نے اپنے ہم عصروں کو سوانح عمری کا موضوع بنایا ہے۔

سوانح عمریوں میں در آنے والے خاکوں کی نوعیت رنگارنگ ہے۔اکثر خاکوں میں ایسے حالات ملتے ہیں جو سوانح کا موضوع بننے والی شخصیت کی تصویر کو واضح انداز میں قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔اکثر ان بے ساختہ خاکوں سے سوانح عمری کا موضوع بننے والی شخصیت کا کوئی اہم پہلو بھی ابھر کر سامنے آیا ہے۔مثال کے طور پر شآد عظیم آبادی کی تحریر کردہ سوانح عمری حیات فریاد میں سوانح نگار نے مرزا نوروز علی خان یکتاؔ کا جو خاکہ تحریر کیا ہے اس میں شآد عظیم آبادی کی عروض دانی سامنے آتی ہے۔یکتاؔ کا خاکہ اس اعتبار سے بھی دیگر مذکور خاکوں سے مختلف ہے کہ اس میں سوانح عمری کے مصنف نے یکتا کے بے جا تفاخرِ عروض دانی کو ایک ناقد کے طور پر پیش کیا ہے۔یکتاؔ کے بارے میں یوں معلومات ملتی ہیں:

> مرزا نوروز علی خان یکتا کو اپنی عالی خاندانی زبان دانی خصوصاً عروض دانی کا حد سے زیادہ دعویٰ تھا۔چاہے کیسا ہی کوئی شخص کیوں نہ ہو بر سر مشاعرہ ٹوک دینے کی سخت عادت تھی۔ ہمارے حضرت (فریاد عظیم آبادی) کا وقار و کمال و شہرت و اثر دیکھ کر ہمیشہ خار کھایا کرتے تھے۔۔۔ایک دفعہ کسی ایک صحبت میں جہاں کوئی عروض دان موجود نہ تھا ہمارے حضرت نے

> کسی کی فرمائش سے ایک غزل کے چند شعر پڑھے، اتفاقاً وہ بحرِ ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصوص میں تھی جس کے حشو کو سالم واخرب بھی لانا جائز ہے۔ حضرت نے اپنا ایک مصرعہ یونہی ارشاد کیا تھا، یکتا صاحب خاموش کب رہ سکتے ہیں دوبارہ پڑھوا کر کہا کہ یہ مصرعہ ناموزوں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے عرفی کی تقلید کی ہے۔ (۱۰)

مولانا الطاف حسین حالی نے بھی 'حیاتِ سعدی' لکھ کر اور اس میں ضمنی افراد کو جس انداز سے موضوع بنایا ہے اس سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا حالی نے 'حیاتِ سعدی' میں سعدی کی حیات کے بارے میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ بیشتر سعدی کی شاعری سے کشید کردہ ہے۔ اس صورتِ حال میں حالی بہ حیثیت سوانح نگار نہ تو سعدی کے عہد کو صراحت سے پیش کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں بلکہ سعدی کے متعلقین کے باب میں بھی سوانح عمری تشنہ محسوس ہوتی ہے۔ ضمنی افراد کے بارے میں مولانا حالی اور مولانا شبلی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اہمیت کا حامل ہے اور ان معلومات سے صاحبِ سوانح کی شخصیت کو سمجھنے میں قاری کو یہ بہر حال سہولت میسر آئی ہے، مثال کے طور پر مولانا شبلی نے مولانا روم کی حیات کو پیش کرنے کے بجائے انہیں بحیثیت ایک متکلم موضوع بنانے پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ مولانا روم کو اس انداز سے پیش کرنے کے بہت سے عوامل میں اہم ترین عوامل مولانا اور ان کے عہد کے بارے میں معلومات کا نہ ہونا ہے معلومات کی عدم دستیابی کے باعث مولانا کے متعلقین یا ان افراد کی بھرپور صورت سامنے نہیں آسکی ہے جنہوں نے مولانا کی شخصیت سازی پر اپنے اثرات مرتب کیے۔

صاحبِ سوانح کے زمانی بعد کے باعث سوانح نگار کو جو مشکلات درپیش رہتی ہیں اس میں سب سے بڑی مشکل صاحبِ سوانح، اس کے عہد، متعلقین و معاصرین کے بارے میں شافی معلومات کا میسر نہ آنا ہے سوانح نگار کے ساتھ مشکل یہ بھی رہتی ہے کہ اسے صاحبِ سوانح کی حیات کے بارے میں آغاز تا اختتام معلومات کو اس طرح قلم بند کرنا ہوتا ہے کہ صاحبِ سوانح کی شخصیت ارتقاء پذیر صورت میں نظر آئے اور عہد بھی اس طرح صاحبِ سوانح کے ساتھ ساتھ چلتا محسوس ہو جس میں صاحبِ سوانح کے متعلقین و معاصرین بھی سانس لیتے نظر آئیں۔ تاریخی شخصیات کے بارے میں سوانح نگار یا سیرت نگار کو صرف اس صورت آسانی میسر رہتی ہے کہ اس کے پیشِ نظر اگر کوئی شخصیت یا ہستی ہے اور اس کے بارے میں شافی معلومات بھی ملتی ہیں تو سوانح نگار کو سوانح نگاری کی ہیئت سے انصاف بہت حد

تک ممکن ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کو جس کثرت سے موضوع بنایا گیا ہے اور بنایا جاتا رہے گا، اس کے لیے ہر دور کے سیرت نگار کو ایک آسانی بہرحال میسر رہے گی۔ اسی طرح کچھ اور بھی تاریخی شخصیات ایسی ہیں جنھیں سیکڑوں برسوں سے موضوع تصنیف و تالیف بنایا جاتا رہا ہے مولانا شبلی کی 'سیرت النعمان' میں ہم امام ابوحنیفہؒ کی حیات اور عہد کو دیگر تاریخی سوانح عمریوں سے زیادہ کامیاب صورت میں اسی لئے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح 'المامون' از مولانا شبلی نعمانی کو بھی ایک کامیاب سوانح عمری اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس میں المامون، اس کے عہد، متعلقین و معاصرین کے بارے میں خاصی معلومات ملتی ہیں۔ المامون کی شخصیت اہل مشرق کے لئے ہی نہیں بلکہ مغرب کے لئے بھی دلچسپی کا موضوع رہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اہل مغرب نے المامون کی زندگی کو کہانیوں اور حکایتوں کے لئے استعمال کیا جب کہ اہل مشرق کے سامنے اس حوالے کے ساتھ ساتھ مذہبی و اخلاقی عوامل بھی اہم رہے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ تاریخی سوانح نگار کو اپنے موضوع کے انتخاب میں سوچ بچار سے کام لینا چاہئے اور اگر سوانح نگار اس روش کو اختیار نہیں کرے گا تو سوانح عمری شاعری کی شرح سے زیادہ نہ ہو سکے گی جیسا کہ 'حیات سعدی' اور 'مولانا روم' کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اردو سوانح عمری کی روایت میں 'انیس' از نیر مسعود ایک اہم کارنامہ ہے۔ سوانح نگار نے میر انیس سے جڑی دیگر شخصیات کو بھی بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے مثلاً میر انیس کے استاد مولوی میر نجف علی فیض آباد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> میر نجف علی ایک دین دار اور تارک الذات بزرگ تھے۔ وہ علوم اسلامی کے جید عالم ہونے کے علاوہ علمِ طب کے بھی بہت بڑے ماہر تھے۔ شاعر تھے۔ صاحبِ تصانیف تھے۔ درس و تدریس ان کا خاص مشغلہ تھا۔ شجاع الدولہ کے عہد میں وہ مشہور ہو چکے تھے۔ ۸۔۱۸۰۷ میں فیض آباد کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ وہ صاحب کشف و کرامات مشہور تھے اور ان پر صوفی ہونے کا بھی الزام لگایا تھا۔ ان تصنیفات منطق، ہئیت، حساب، مناظرہ، تجوید، کلام وغیرہ مختلف علوم میں ہیں۔ انھوں نے فارسی میں یوذاسف کا قصہ بھی مثنوی کی شکل میں نظم کیا تھا۔ انیس کے بڑے چچا میر احسن خلق نے ابن سینا کی کتاب قانون انھیں سے پڑھی تھی۔ میر نجف علی کی وفات ۱۸۳۸ء میں ہوئی۔ (۱۱)

مذکورہ سوانح عمری کو اس نسبت سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ مولانا حالی اور مولانا شبلی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بیسویں صدی کے سوانح نگاروں نے جہاں صاحب سوانح کی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے ضمنی شخصیات کے خاکوں کو جس طرح اہم سمجھا ہے وہاں یہ روایت کو اس صدی کے سوانح نگاروں نے بھی برقرار رکھا ہے۔

یہاں جن سوانح عمریوں کا انتخاب کیا گیا ہے ان میں اکثریت ان کی ہے جن میں صاحبِ سوانح اور سوانح نگار دونوں کا تعلق اردو ادب سے معروف ہے۔ سوانح نگار اور صاحبِ سوانح کے مابین اس طور، قدرِ مشترک کے باعث سوانح نگار نے موضوعات پر بھی جو توجہ صرف کی ہے۔ اس کا گہرا تعلق بھی اردو ادب اور شاعری کی عام فضا سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے 'جلوۂ داغ' از سید علی احسن مارہروی کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس میں ابتدائی سوانحی مواد کے بعد سوانح نگار نے 'رام پور کے مشاعرے'، 'تقلید زبان کی بحث' 'مرزا صاحب کا اور شعراء سے مقابلہ'، 'مرزا صاحب کے کلام پر عامیانہ الزام'، مرزا صاحب کے کلام انتخاب'، قصائد و مثنوی کا انتخاب'، 'شاگردوں کی اصلاح'، 'مصور نظام کے کلام کی اصلاح'، 'اصلاح کی قسمیں'، 'شاگردوں کی تعداد'، 'شاگرد کرنے کا طریقہ' اور 'ظرافت طبع' جیسے موضوعات ان سوانح عمریوں میں عام ہیں۔ ان موضوعات کے ذیل میں سوانح نگار جہاں خاص ادبی موضوعات کو زیر بحث لاتا ہے وہاں وہ صاحبِ سوانح کے مختلف مشاہیر و معاصرین سے تعلقات اور ربط وضبط کو بھی موضوع بناتا ہے جس سے ان ضمنی خاکوں کی وسعت و حدود کا تعین ہوتا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو کی معروف صنفِ خاکہ میں جہاں متنوع موضوعات کو سمویا جا سکتا ہے وہاں سوانح عمریوں میں موجود معاصرین، مشاہیر و متعلقین کے خاکوں میں بھی موضوعاتی تنوع دیکھا جا سکتا ہے۔

'جلوۂ داغ' کا مصنف سوانح عمری کا گہرا شعور رکھنے کے باوجود اس سوانح میں اختصار کو نا جانے کیوں اہمیت دینے پر مجبور ہے۔ بصورت دیگر مصنف اس سوانح عمری میں مختلف موضوعات اور شخصیات کے تحت ایسی اہم تفصیلات پیش کر سکتا تھا جس سے نہ صرف داغ دہلوی کی ان کے متعلقین سے تعلقات کی نوعیت کی صراحت ممکن ہوتی بلکہ متعلقین کے حوالے سے بھی اہم معلومات سامنے آ سکتی تھیں۔ 'داغ دہلوی' کا مصنف اگر چاہتا تو اس دورِ ہنگامہ خیز میں جب داغ موجود تھے اس دور کے بارے میں نہ صرف معلومات عام ہیں بلکہ اس دور کی معلومات کو محفوظ بھی کیا گیا ہے۔ 'جلوۂ داغ' کا سوانح نگار خود شاعر بھی ہے اس لئے ان سے دیگر شاعروں کے احوال کے بارے میں تفصیلات کی توقع کی جاتی ہے جنہیں انہوں نے اس سوانح عمری میں موضوع بنایا ہے۔ سوانح نگار نے 'حضرت اسیر کی انصاف

پسندی' (۱۲) کے عنوان سے جو مختصر سا واقعہ مشاعرے میں قبول عام کے بارے میں لکھا ہے اس سے پہلے سوانح نگار اسیر کے بارے میں ان تفصیلات کو بھی موضوع بنا سکتا تھا جو صاحبِ سوانح کے ساتھ ساتھ عہد اور ضمنی شخص کے کوائف کے بارے میں اہم ہو سکتے تھے۔

اس سوانح عمری کے دیباچے میں صاحبِ سوانح کی 'عام احباب کی صحبت' (۱۳) کو بھی سوانح نگار نے اہمیت دی ہے لیکن اختصار کی وجہ سے بہت سے پہلو تشنہ طلب رہے ہیں اس صراحت میں جیسا کہ صاحبِ سوانح کی شخصیت کو نمایاں کرنے میں ضمنی افراد پر مبنی تفصیلات کو اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر صاحبِ سوانح کی شخصیت کے تمام رنگ نمایاں نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی ہم اس سوانح میں دیکھ سکتے ہیں کہ داغ دہلوی جیسی معروف شخصیت کے لئے 'جلوۂ داغ' جیسی مختصر سوانح عمری ناکافی ہے۔

اردو میں ایسی سوانح عمریوں کی کثرت ہے جن میں سوانح نگار نے سوانحی معلومات کے ساتھ ساتھ شاعر کے کلام پر تجزیہ یا انتخاب شامل کیا ہے 'فانی' از دیبی پرشاد سری واستو میں بھی یہی صورت عیاں ہے۔ اس سوانح عمری میں بھی 'جلوۂ داغ' کی طرح غیر ضروری اختصار سے کام لیا گیا ہے جس سے سوانح عمری کو یہ نقصان پہنچا ہے کہ سوانح عمری تنقید یا تاثراتی کتاب بن کے رہ گئی ہے متعدد مقامات پر احساس ہوتا ہے کہ سوانح نگار کو نہ صرف صاحبِ سوانح کے احوال پر خصوصی توجہ صرف کرنی چاہئے تھی بلکہ صاحبِ سوانح کے معاصرین، مشاہیر اور متعلقین کے باب میں ایسی اہم معلومات پہنچانی چاہئے تھیں جن سے صاحبِ سوانح کی شخصیت نمایاں ہو کر صنف سوانح عمری کے تقاضے پوری کر سکتی۔ اس سوانح کے بارے میں 'فانی کے شاگرد' (۱۴) کے حوالے سے جو تشنہ معلومات سوانح نگار نے رقم کی ہیں اس سے بہت سے اہم پہلو نامکمل رہ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر سوانح نگار لکھتا ہے کہ 'مختار احمد صاحب ہی وہ اول شخص ہیں جن کو فانی کی شاگردی کا حق حاصل ہوا ہے' (۱۵)۔ اس سطر کو پڑھنے کے بعد عام قاری ہو یا کوئی طالب ادب ہو وہ مختار احمد کے بارے میں مزید معلومات کا خواہش مند ہوگا۔ سوانح نگار چونکہ قاری کا نباض بھی ہوتا ہے اس لئے اسے ان ضرورتوں کا بھی شافی جواب دینا چاہئے جو قاری کے پیشِ نظر ہوتی ہیں۔ گویا 'فانی' کا مصنف ایسے دیگر موضوعات پر سرسری گزر جاتا ہے جس کی کسی اچھے سوانح نگار سے توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔

'رندِ پارسا' از رئیس احمد جعفری جس میں ریاض خیر آبادی کی سوانح کو موضوع بنایا گیا ہے اس سوانح نگار نے ریاض کی شخصیت اور حیات اس رخ سے پیش کرنے کا دعویٰ کیا ہے جو ادبی دنیا میں اس لئے اوجھل تھا کہ ریاض بزم و

انجمن کے آدمی نہیں تھے۔انہیں گوشۂ تنہائی مرغوب تھا۔ان کی شخصیت کا اصل جلوہ گھر ہی میں دیکھا جا سکتا تھا۔سوانح نگار مزید لکھتا ہے کہ وہ ان کی زندگی کا وہی رخ پیش کرنا چاہتا ہے جو نگاہِ عام سے مخفی تھا۔اس نوع کی سوانح عمری لکھنے کے لئے رئیس احمد جعفری نے شعوری طور پر ان ضمنی شخصیات کو بھی قدرے تفصیل سے موضوع بنایا ہے جنھوں نے ریاض خیرآبادی کے اس رخ کو سمجھنے میں قاری کی مدد فراہم کی ہے جس کے لئے رئیس احمد جعفری نے ریاض کی شخصیت کا انتخاب کیا ہے۔ریاض خیرآبادی کی شاعری، انشا پردازی اور صحافت جیسے موضوعات سے ادبی دنیا واقف ہے۔ ادبی پرچہ ' گلچیں' جس کی نگرانی ریاض کے سپرد تھی اور اس کے مدیر ان کے بہنوئی وسیم خیرآبادی تھے۔سوانح نگار نے ریاض کی شخصیت کی وضاحت کے لئے وسیم خیرآبادی کا بھی بھرپور خاکہ تحریر کیا ہے جو نہ صرف اس وقت کی ثقافت کا مظہر ہے بلکہ اس میں مذہبی رواداری کا عنصر بھی ملتا ہے۔

> وسیم صاحب... قدیم وضع و معاشرت کی جیتی جاگتی صورت، غرارے دار پاجامہ، دوپلّی ٹوپی، رنگین اچکن، کاندھے پر ایک بڑا سا رومال جس کے ایک کونے میں بٹوے کی ڈوری بندھی ہوئی، بٹوے کے اندر چھالیہ، تمباکو، الائچی اور کتھے چونے کی ایک ڈبیہ۔تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ بٹواہ کھولتے اور ان چیزوں سے کام و دہن کو لذت یاب کرتے۔وہ ٹہلنے کے بہت عادی تھے۔گھر کے ٹیرس کے برآمدے میں مسلسل چہل قدمی کیا کرتے اور تمباکو کھایا کرتے ۔سادگی، معصومیت، قابلیت اور شرافت ان کے امتیازاتِ خصوصیت تھے۔پہلے زمانے میں شیعوں اور سنیوں میں مخلوط شادیاں ہوا کرتی تھیں وسیم صاحب کا خاندان بھی شیعہ تھا مگر وسیم صاحب اپنے ذاتی رجحان کی بنا پر سنی ہو گئے۔ان کی جدہ محترمہ زندہ تھیں۔وہ خبر سن کر کہ وسیم سنی ہو گیا بہت برہم ہوئیں۔رفتہ رفتہ تمام چیزیں غیروں کو عطا کر دیں اور وسیم صاحب کو فائدہ نہ اٹھانے دیا وسیم چشمِ تماشا سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر کچھ نہ بولے البتہ اپنے نئے عقیدے پر مضبوطی سے قائم تھے۔(۱۶)

'حضرت خواجہ حسن نظامی' از ملا واحدی دہلوی اس اعتبار سے ایک مختلف سوانح عمری ہے کہ اس میں ضمنی شخصیات کے خاکوں کی جہاں مختلف صورتیں سامنے آئیں ہیں وہاں خود سوانح نگار نے اپنے تعلقات کو بھی صاحبِ

سوانح کے حوالے سے پیش کیا ہے جس کے بعد سوانح نگار یعنی ملا واحدی دہلوی کی صاحبِ سوانح کے ساتھ ایک چلتی پھرتی تصویر سامنے آتی ہے۔ اس بنا پر یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان ضمنی شخصیات کے خاکوں میں جہاں دیگر شخصیات موضوع بنتی ہیں وہاں خود سوانح نگار بھی ان خاکوں کا موضوع ہے۔ 'میرے اور خواجہ صاحب کے تعلقات' (۱۷) کے عنوان سے سوانح نگار نے اپنے اور صاحبِ سوانح سے تعلقات کے آغاز کو ایک افسانوی انداز دے کر آغاز کیا ہے اور اس کے بعد صاحبِ سوانح کا خاکہ ملتا ہے۔

جیسا کہ اس باب میں ان ضمنی شخصیات کے خاکوں کی وسعت اور صورت کو اس طور پیش کیا گیا ہے کہ ان خاکوں میں صرف صاحبِ سوانح کے آباؤ اجداد یا معاصرین یا دوستوں کے تذکرے ہی نہیں ملتے بلکہ ان ضمنی شخصیات کے خاکوں کی بدولت ایسی ایسی شخصیات یا واقعات ملتے ہیں جو تاریخی، سیاسی، ثقافتی، دستاویزی، علمی و ادبی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان ضمنی شخصیات کے خاکوں کی وجہ سے صاحبِ سوانح کی شخصیت کے مختلف رنگ ہی سامنے نہیں آتے بلکہ یہ خاکے دستاویزی اہمیت کے حامل بھی بن جاتے ہیں اور آج کا مورخ ان سوانح عمریوں کو اپنے موقف کی تائید میں بلا مبالغہ پیش کرتا ہے۔

عام طور پر سوانح نگار کو واقعات کی پیش کش میں رواں اور فطری انداز تحریر اختیار کرنا چاہئے یعنی اقتباسات کی بھرمار سے اجتناب برتنا چاہئے۔ سوانح عمری 'حضرت خواجہ حسن نظامی' اہم معلومات کی حامل ہونے کے باوجود اس کے سوانح نگار نے 'مولانا محمد علی سے تعلق' (۱۸) اور 'سر نائیڈو اور مہاتما گاندھی کی رائے' (۱۹) جیسے عنوانات کے تحت روزنامچے کے اقتباسات سے کام لے کر جان چھڑا لی ہے۔ ان معروف شخصیات یا معاصرین کے بارے میں سوانح نگار کو زیادہ تلاش و جستجو سے کام لینا چاہئے تھا۔

ان کے برعکس سوانح نگار 'خواجہ صاحب اور حضرت اکبرالٰہ آبادی' (۲۰) کے عنوان سے جو معلومات رقم کی ہیں وہ نہ صرف صاحبِ سوانح کے میلانات کی امین ہیں بلکہ اکبر کی شخصیت کے بھی مختلف پہلو سامنے آئے ہیں۔ اسی طرح 'ایک عنوان بڑے بڑے ملاقاتی' (۲۱) سوانح مذکور میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس کو پڑھنے کے بعد قاری کو مایوسی کا سامنا اس لئے کرنا پڑتا ہے کہ سوانح نگار نے اپنے منصب کے مطابق معلومات کی فراہمی میں تلاش و جستجو سے کام نہیں لیا ہے۔ یعنی سوانح نگار کا کہنا ہے کہ خواجہ حسن نظامی کی جانب بڑے بڑے لوگ اسی طرح بڑھتے تھے جس طرح مٹھاس کی طرف چیونٹیاں کھنچتی ہیں۔ اس بیان کی صداقت میں سوانح نگار کو زیادہ صراحت سے اپنا موقف بیان کرنا

چاہئے تھا۔اس سوانح عمری میں علامہ شبلی کے اُن الفاظ کو بھی بہ طور دعویٰ پیش کیا گیا ہے جس کا منشا غیر جانب داری اور بے تعصبی کی صورت میں نکلنا چاہئے۔ مثلاً علامہ شبلی کے ان الفاظ کو سوانح نگار نے پیش لفظ میں دہرایا ہے:

> مورخ کی تحریر ایسی ہونی چاہئے کہ پڑھنے والا محسوس نہ کرے کہ یہاں لکھنے والے کی تیوری چڑھی ہے اور یہاں لکھنے والے کا چہرہ کھل گیا ہے۔(۲۲)

سوانح نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ 'خواجہ صاحب کی خاطر کہیں مبالغہ نہیں کیا ہے'(۲۳) یعنی معلومات رقم کرتے وقت ان کا چہرہ کھِل نہیں گیا ہے گویا بلا کم و کاست حالات پیش کیے گئے ہیں۔سوانح نگار کم و بیش معلومات کی فراہمی میں غیر جانب دار نظر آتا ہے لیکن کچھ مقامات اس سوانح عمری میں دیکھے جاسکتے ہیں جہاں سوانح نگار کا چہرہ 'کھلتا' محسوس ہوتا ہے یعنی سوانح نگار پر مصنفیت کے بجائے صاحبِ سوانح سے محبت وانس غالب دکھائی دیتا ہے۔

اس طرح ان ضمنی شخصیات کے خاکوں کے موضوعات کے مطالعے کا جواز سامنے آتا ہے کہ اس نوع کے خاکوں میں جہاں وسعت موجود ہے وہاں سوانح نگار کو دیگر شخصیات و واقعات کے حوالے سے معلومات کو اس طرح رقم کرنا چاہئے کہ صاحبِ سوانح کے جملہ پہلوؤں کے ساتھ ساتھ سوانح عمری اپنے عہد کے بارے میں ایک دستاویزی صورت اختیار کر جائے صاحبِ سوانح کے جملہ پہلوؤں سے مراد اس کے میلانات، اِفتادِ طبع، مزاح اور دیگر اشخاص سے اس کے تعلقات کی نوعیت ابھر کر سامنے آتی ہو۔

حوالہ جات

۱۔ رام مالک، ۱۹۵۰ء، "ذکرِ غالب"، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، ص ۲۱

۲۔ ایضاً

۳۔ حالی، الطاف حسین، ۱۹۸۶ء، 'یادگارِ غالب'، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، ص ۱۰۳

۴۔ عرش، ضمیر الدین احمد، ۱۳۴۷ھ، 'حیات مومن'، بازار روہبہ کلاں، دہلی، ص ۶۷

۵۔ نعمانی، مولانا محمد شبلی، ۱۸۹۲ء، 'سیرۃ النعمان'، مطبع مفید عام، آگرہ، ص ۳۱

۶۔ اشہری، مولانا سید امجد علی، ۱۹۰۷ء، 'حیاتِ انیس'، مطبع آگرہ، ص ۲

۷۔ حسین، صالحہ عابد، ۱۹۸۶ء، "یادگارِ حالی"، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ص ۴۷

۸۔ زور، ڈاکٹر محی الدین قادری، ۱۹۳۸ء'روح غالب'، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد، ص ۵۔۶

۹۔ اصلاحی، عبدالرحمٰن پرواز، ۱۹۷۷ء، 'مفتی صدر الدین آزرو'، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ص ۱۰۳

۱۰۔ شاد، محمد علی، ۱۹۲۷ء، حیات فریاد، ص ۴۷

۱۱۔ مسعود، نیر، ۲۰۰۵ء انیس (سوانح)، آج کی کتابیں، کراچی، ص 19

۱۲۔ مارہروی، سید علی احسن، ۱۹۰۲ء، "جلوۂ داغ"، مطبع شمسی حیدر آباد دکن، ص ۲۴

۱۳۔ ایضاً، ص ۶

۱۴۔ سری واستو، دیبی پرشاد، س ن، "فانی"، کتابستان الہ آباد و کراچی، ص ۴۸

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ جعفری، رئیس احمد، ۱۹۴۵ء، "رند پارسا"، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، ص ۵

۱۷۔ دہلوی، ملا واحدی س ن، "حضرت خواجہ حسن نظامی"، گلڈ، انجمن کتاب گھر، ص ۵۰

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۸۴

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۸۶

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰

۲۳۔ ایضاً

ڈاکٹر محمد ساجد خان بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔